بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر نثار احمد☆

جاہلیت

﴿لغوی معنی، قرآنی اصطلاحی مفہوم، تعریف، اطلاقات﴾

یہ بات جتنی مشہور ہے اتنی ہی صحیح بھی ہے کہ نبیؐ آخر الزمان، رہبر دو جہاں، رسولِ اعظم و آخر، ہادیٔ برحق، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم (۶۱۰ء میں) مبعوث ہوئے اس وقت ساری دنیا جاہلیت کی لپیٹ میں تھی اور دنیا کا وہ خطہ تو خاص طور پر جہالت کے اندھیروں میں گھرا ہوا تھا جسے عرب کہتے ہیں اور جس کے افق پر، ''مہر و ماہِ رسالت'' نے طلوع ہو کر سارے جہاں کو روشن و منور کر دیا۔

تاریخی اور رواقعاتی نقطۂ نظر سے دورِ جاہلیت دراصل بعثت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا زمانہ ہے۔(۱) (جسے بالعموم دورِ عرب قبل از اسلام سے بھی تعبیر سے کیا جاتا ہے اور اسی کو دورِ فترت بھی کہتے ہیں) اور اس کا خاتمہ آنحضور ﷺ کی داعیانہ کوششوں، مبلغانہ جدوجہد اور ملکی تدبیر و انتظام سے فتح مکہ پر ۸ ہجری میں اس طرح ہوا کہ جاہلیت کا نام و نشان مٹ گیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مطہرہ کا مقصد ہی یہ تھا کہ آں جناب جاہلیت کا ہر نقش مٹا کر علم و آگہی کا نور اور حق و صداقت کا شعور یعنی اسلام کا پرچم بلند فرمائیں۔

یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ ''جاہلیت'' کیا ہے، جسے مٹانے کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی اور دنیا ''اسلام'' کے نور سے منور ہو گئی۔

جاہلیت، عام تاثر، عوامی مفہوم:

جاہلیۃ، کا لفظ (عربی زبان میں) جیسا کہ عام طور پر معلوم و مشہور ہے ''جہل'' سے بنا ہے۔

☆سابق رئیس کلیہ فنون و صدر شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

ali.rizvi not

جس کے معانی میں اگر چہ نادانی، ناواقفیت، ناسمجھی، کم علمی شامل ہے۔(۲) تاہم اردو زبان میں یہ لفظ (جہل) علم کے مقابل کثرت سے استعمال ہونے کے سبب محض ''ان پڑھ'' یا ''نوشت و خواند سے بے بہرہ'' ہونے تک محدود سمجھا گیا ہے۔(۳) اور پھر بطور تقاضا ایک عوامی مفہوم سرزمین عرب (قبل اسلام) کے حوالے سے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی، متعین کرلیا گیا، جس کی تائید بعض مؤلفوں کے بیانات سے بھی ہوئی اور یوں ایک عمومی تاثر یہ قائم ہوا کہ ساکنان عرب ان پڑھ جاہل، علم و دانش سے کورے، تعقل و تفکر سے عاری، تہذیب و تمدن سے ناآشنا، اجڈ، وحشی، صحرائی، جنگلی تھے، انہیں رہن سہن کا ڈھنگ نہ آتا تھا، ان میں کوئی سیاسی و سماجی شعور نہ پایا جاتا تھا، معاش و معاد کی باتیں ان کی سمجھ سے بالاتر تھیں، زندگی گذارنے کا سلیقہ وہ نہیں جانتے تھے، ہاں خوں خواری و درندگی کی صفات، عدم برداشت، قتل و غارت گری کی عادات ان کے ہاں صدیوں سے راسخ چلی آتی تھیں، لوٹ مار رہزنی ان کا پیشہ اور بغض و انتقام ان کا طریقہ تھا، زندگی کی اعلیٰ اقدار کی جگہ جانتے تھے، صرف مادی ظاہری فائدے کے قائل تھے، مذہبیت اور روحانیت ان کے نزدیک یہی تھی کہ ہر شجر و حجر کے آگے جھک جائیں، مظاہر فطرت کی طاقت و قدرت سے مرعوب ہو کر ان ہی کو حاجت روا مانیں، بتوں کے آگے سجدہ ریز ہو کر ہدیۂ نذر و نیاز پیش کریں اور اپنی آرزوؤں تمناؤں کی تکمیل کے لئے معبودان باطل سے رجوع کریں، اس جاہلانہ معاشرے میں کچھ خوبیاں ضرور تھیں، مگر برائیوں کی بہتات انہیں نمایاں نہیں ہونے دیتی تھی۔(۴)

یہ عمومی تاثر قدیم العہد مصنفوں کے ہاں نظم و نثر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے اور جدید العہد مصنفوں کی تحریروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً مولانا الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء۔۱۹۱۴ء) کے مسدس مدو جزر اسلام (۱۸۷۹ء) میں مسلسل ۱۳ بندوں میں دور جاہلیت کا نقشہ جو کھینچا گیا اور جو عوام الناس میں بہت مقبول ٹھہرا اسی تاثر کا نمائندہ ہے۔(۵) مولانا شبلی نے تہذیب و تمدن کا عنوان قائم کر کے یہ بالکل صحیح لکھا ہے:

> تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے، مانسیو لیبان فرنساوی نے اصول عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانے میں اوج کمال تک پہنچ چکا تھا، کیوں کہ اصول ارتقا کے رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعتاً اعلیٰ درجے کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔(۶)

لیکن پھر فرماتے ہیں کہ یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔(۷) آگے چل کر لکھتے ہیں کہ لیکن عرب

کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب وتمدن کی یہ حالت نہ تھی ۔(۸) اس کے بعد ایک صفحے سے زائد کی تفصیل کا اندازہ چند منتخب جملوں سے ہوسکتا ہے ۔مثلاً عربی زبان نہایت وسیع ہے باوجود اس چیز کے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے ان کے لئے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے .... جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے لفظ نہ تھے تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لئے کہاں سے لفظ آتے ....آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک عیش ونعمت کے سامان بہت کم تھے ....اس زمانے تک گھروں میں جائے ضرور نہ تھی ،مستورات رفع حاجت کے لئے باہر جایا کرتی تھیں ....اس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں، بھوسے کو پھونک سے اڑاتے تھے جو رہ جاتا تھا وہی آٹا ہوتا تھا ....راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے ۔وغیرہ وغیرہ ۔(۹)

صاحب اصح السیر مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری خلاصتاً تحریر فرماتے ہیں:

> پورے جزیرہ نمائے عرب میں کسی طرح کا کوئی ملکی انتظام قائم نہ تھا، چوری ڈکیتی قتل خون ریزی وفسادت ،فسق وفجور سارے ملک میں عام تھا اور ان چیزوں کو روکنے والی کوئی طاقت ملک کے کسی حصے میں موجود نہ تھی، معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا، تعلیم وتعلم کا تو کہیں وہم وگمان بھی نہ تھا ۔(۱۰)

جب کہ جدید مصنفین میں سے مثلاً مولانا عبیداللہ قدسی (۱۹۷۹ء) اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں قبل اسلام عرب واطراف عرب کے باب میں عرب معاشرے اور تصور قانون واخلاق کا خلاصہ اس طرح پیش کرتے ہیں، لہٰذا عرب میں کوئی ریاست ،بادشاہت نہیں تھی نہ کوئی باقاعدہ حکومت تھی اس لئے وہاں قانون بھی نہیں تھا بلکہ بدوی اور قبائلی زندگی، نظم ونسق، سیاست، اجتماعی اقتصادی اور جنگ وجدل سب میں چھائی ہوئی تھی ۔(۱۱)

پروفیسر حتی (Hiti) ایک جگہ بطور تبصرہ لکھتا ہے:

> ظہور محمدی سے پہلے کے زمانے کو مسلمان ''جاہلیت'' کے نام سے یاد کرتے ہیں، اس اصطلاح کے معنی عموماً جہالت اور بربریت کے لئے جاتے ہیں، گو شمالی عربوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک تحریر کا کوئی نظام پیش نہیں کیا تھا، تاہم بربریت جیسی سخت اصطلاح کا اطلاق ایسے معاشرے پر تو نہ ہونا چاہئے جیسا معاشرہ جنوب میں پھلا پھولا تھا ۔(۱۲)

بہر حال جہل و جاہلیت عرب کے بارے میں متذکرہ بالا عوامی مفہوم اور عمومی تاثر اپنے اندر کئی قباحتیں رکھتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ ایک تو یہی بات کہ جہل، جاہلیت وغیرہ کا جو مفہوم اردو زبان وادب میں مروج ہے، اور عرب جاہلیت کے حوالے سے جو تاثر نمایاں کیا جاتا ہے وہ عربی زبان اور عربی رسم ورواج اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے صادق نہیں آتا (اس کی وضاحت آئندہ صفحات میں لفظی لغوی مفہوم اور تہذیب و معاشرت میں استعمال کے حوالے سے سامنے آئے گی)۔

۲۔ دوسری قباحت واقعاتی عدم مطابقت ہے، چنانچہ اکثر و بیشتر عرب جاہلیت کے حالات و کوائف کا جائزہ لیتے وقت یہ عموماً نظرانداز کر دیا جاتا ہے کہ سرزمین عرب کے طبعی جغرافیاتی ماحول کے نتیجے میں وہاں کی معاشرتی زندگی میں بدوی، حضری آبادی کی مستقل تقسیم موجود تھی، چنانچہ عربوں کی بدوی زندگی کے حالات وکوائف جدا تھے اور حضری زندگی کے خصائص ولوازم اور طور طریقے بالکل الگ تھے، بدوی زندگی سادگی وکم مائیگی کی آئینہ دار اور ہر قسم کے تکلفات سے مبرا فطرت وحقیقت سے قریب تر تھی جبکہ حضری زندگی تصنع وتکلف کا مرقع تھی، ان کی بود وباش کا انداز مختلف تھا اور ان میں تہذیب وتمدن کے جلووں کی فراوانی بہت کچھ موجود تھی، طبعی وجغرافیائی حالات کے نتیجے میں معاشرتی زندگی کا تفاوت کسی نہ کسی طرح نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے جس کے سبب عرب جاہلیت کے احوال واقعی کا صحیح نقشہ سامنے نہیں آسکتا، یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں تاریخ وسیر کی کتابوں میں عہد جاہلیت کے زیر عنوان یا عرب قبل اسلام کی بحثوں میں ان نکات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا اور اس طرح مصنفین ومؤلفین کے بیانات واقعات کی صحیح عکاسی سے قاصر رہتے ہیں۔

۳۔ عہد جاہلیت کے عوامی مفہوم اور عمومی تاثر میں نقص کا ایک اور پہلو تاریخی نوعیت کا ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ دور جاہلیت میں بھی عرب دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں کئی پہلوؤں سے امتیاز اور کئی حوالوں سے سربلندی وسرفرازی رکھتے تھے، مثلاً زبان دانی میں قوت اظہار اور شوکت الفاظ کی دولت سے مالامال ہونے کے سبب وہ اپنے آگے دوسروں کو عجم (گونگا) سمجھتے اور کہتے تھے، کیوں کہ وہ خود زبان آور، فصیح اللسان، بیان پر قدرت کاملہ اور ما فی الضمیر کی ادائیگی پر مکمل عبور رکھتے تھے، نیز ان کے شعراء وادباء اتنا ذخیرۂ شعر وادب پیدا کر چکے تھے جس کے سامنے دنیا میں پائے جانے والے قدیم تہذیب و تمدن کے ادبی خزانے بھی بے وقعت تھے، تجارت کو ان کے ہاں فن کا درجہ حاصل تھا، اس وقت کی معلوم

دنیا کے مختلف اطراف میں بری بحری راستوں سے سفر کر کے ان کے تاجر دنیا بھر سے رابطے رکھتے تھے اور مبادلۂ اشیا کے ساتھ ساتھ صدیوں سے مبادلۂ ثقافت میں مشغول تھے۔ چنانچہ مختلف ادوار میں عرب کے مختلف علاقوں میں بڑی بڑی سلطنتیں (معینی، سبائی، حضرموتی، قبسانی، ناتی) قائم ہوئیں اور ختم بھی ہو گئیں تاہم عربوں کے سیاسی شعور و بلوغ پر گواہی ثبت کر گئیں۔

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ دورِ جاہلیت کے بارے میں پایا جانے والا عوامی مفہوم اور عمومی تاثر علمی و تاریخی صداقت سے محروم ہے اس لئے درست نہیں، چنانچہ ہم پہلے مولانا شبلی کے حوالے سے لیبان کی رائے نقل کر چکے ہیں کہ "اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانے میں اوجِ کمال تک پہنچ چکا تھا کیوں کہ اصول ارتقا کی رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعتًا اعلیٰ درجے کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔

لفظی لغوی مفہوم:

خالص علمی لحاظ سے دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ عربی زبان میں لفظ "جاہلیت" کی اصل جھل ہے۔(۱۳) اور باب سَمِعَ یَسْمَعُ میں جَہِلَ یَجْہَلُ جَہْلاً و جَہَالَۃً اور دوسرے متعدد الفاظ و محاورات اس سے مشتق ہیں۔(۱۴) قدیم و جدید ائمہ لغت کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مادے (جھــل) سے بننے والے بہت سے الفاظ (اپنے جوہری اشتراک و ارتباط کے باوجود) مختلف معانی پر دلالت کرتے ہیں، تاہم مشہور امام لغت علامہ ابن فارس (م ۳۹۵ء) کی تحقیق کے مطابق (جو مبنی بر حقیقت ہے) جہل کے جملہ مفاہیم میں دو معنی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک معنی لاعلمی، بے علمی، کم علمی، عدمِ معرفت، ناواقفیت اور نہ جاننا، (احدھا خلاف العلم) (۱۵) اور اس معنی میں یہ علم و معرفت کے برعکس ہے (والجھل ضد العلم) (۱۶) چنانچہ اَلْمَجْہَلَۃ ہر وہ معاملہ، بات جو جہل، نادانی، ناواقفیت کا سبب ہو (مایحملک علی الجھل) (۱۷) التجھیل میں بھی یہی نسبت جہل پائی جاتی ہے (۱۸) اور الجہالۃ کا مطلب ہوگا کہ کوئی کام جانے بوجھے بغیر کیا جائے (ان تفعل فعلاً بغیر العلم) (۱۹) اور جب یہ کہا جائے، ان فلانا لجاھل من فلان تو اس کا یہی مفہوم ہوگا کہ فلاں فلاں سے ناواقف ہے یا (ای جاھل بہ) اسے وہ نہیں جانتا۔(۲۰) آیت قرآنی یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاءَ (۲۱) میں بھی جاہل سے مراد وہ نہیں جو عاقل کا برعکس ہے بلکہ وہ ہے جو اپنے ظاہری

all.12yat not

احوال سے معلوم ہو۔ (۲۲) چنانچہ یہاں جہل (حقیقت ناشناسی پرمبنی) وہ ہے جو الخبر (واقفیت، آگاہی) کی ضد ہے۔ (۲۳) چنانچہ جب یہ کہا جائے **ھو یجھل ذالک** تو مطلب ہوگا وہ اسے نہیں جانتا (ای **لایعرفه**) (۲۴) **المجھل** لق و دق بیابان (**لااعلام فیھا**) (۲۵) جس میں پہچان کے لئے کوئی نشان یا علامت نہ پائی جائے اور **ارض مجھولة** ناقابل شناخت زمین یا ایسی زمین (میدان) جہاں نہ کچھ نشان ہوں نہ پہاڑ وغیرہ (۲۶) جس سے اسے پہچانا جاسکے، غیر معروف۔ بہرحال جہل کا یہ مفہوم جس میں ناواقفیت لاعلمی اور عدم معرفت شامل ہے، کلام عرب میں معروف و مشہور تھا۔ (۲۷)

ابن فارس کی تصریح کے مطابق، جہل کے دوسرے مفہوم میں (**والآخر الخفة خلا طمانیة**) (۲۸) ہلکاپن، سفلہ پن، سفاہت، بے قراری اور اضطراب کے پائے جاتے ہیں، ان تمام حالتوں میں اگر غور و فکر کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ چیز اپنی اصلی حالت میں، معیاری سطح پر اور معمول و اعتدال سے تجاوز کر جاتی ہے، یہ تجاوز ظاہری اور مادی طور پر بھی واقع ہوسکتا ہے اور باطنی و معنوی لحاظ سے بھی ہوسکتا ہے، اشیا میں بھی ممکن ہے اور رویے و سلوک، اعمال و افعال میں بھی، نیز یہ تغیر حالات کسی درجے کا ہوسکتا ہے اس کا اندازہ متعدد الفاظ و معانی سے کیا جاسکتا ہے۔

ابن درید نے لکھا ہے کہ **ارض مَجْهَل** ایسی زمین کو کہا جاتا ہے (**لایھتدی فیھا**) (۲۹) گویا جو نا درست، غیر ہموار، اونچی نیچی، اصلاح طلب ہو، جہاں راستے نشان وغیرہ نہ بنے ہوں جن سے (لوگوں کی) رہنمائی ہوسکے، اس کی جمع **مجاھل** ہے۔ (یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ پہلے بنیادی معنی کے ضمن میں **المجھل** کے تحت پہلے جو کچھ بیان کیا گیا تھا اس کا حوالہ دوسرا تھا۔ (**لا اعلام فیھا**) جب کہ دوسرے بنیادی معنی کے تحت یہاں حوالہ (**لایھتدی فیھا**) بالکل مختلف ہے) **المِجْهَلُ** اس لکڑی (کرپٹی) کو کہتے ہیں (**یحرک بھا الجمر**) (۳۰) جس کے ذریعے آگ، انگاروں کو (آگے پیچھے، اوپر نیچے) حرکت دی جاتی ہے۔ اس طرح کہا جاتا ہے **وَاسْتَجْهَلَتِ الرِّيحِ الغُصْنَ** یعنی (بے قابو، آوارہ، تیز) ہوا نے شاخوں کو ہلا ڈالا۔ (جھنجھوڑ دیا)۔ **اذا حرکته فاضطرب** (۳۱) (حرکت دے کر بے چین و مضطرب کر دیا)۔ جب کسی چیز کو گھٹاتے گھٹاتے اتنا کم کر دیا جائے (**استخفاف**) کہ وہ حقیر (کم ظرف، بے قیمت) ہو جائے (**فقد استجھلته**) (۳۲)۔ ایک حدیث میں بروایت حضرت ابن عباسؓ منقول ہے کہ **من استجھل مومناً فعلیه اثمه**۔ (۳۳) اگر کوئی کسی مومن کو جاہل و حقیر سمجھتے ہوئے یہ کہے تو بار گناہ اس پر ہوگا۔ کیوں کہ جاہل، حقیر بنانے یا سمجھنے میں مرکزی بات، اہل حیثیت سے کسی چیز کا گھٹانا (**استخفاف**) شامل

ہوتا ہے (وکل ما استخفک فقد استجھلک)۔(۳۴)

لفظی لغوی مفہوم کے حوالے سے لفظ جہل اور اس کے متعلقات پر جو گفتگو ہو چکی ہے اس کی روشنی میں بعض پہلوؤں کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے اور جو بنیادی معنی سے بھی مربوط و ہم آہنگ ہیں۔ چنانچہ:

۱۔ اول یہ کہ جہل لفظاً خلاف علم تو ضرور ہے لیکن یہ ان پڑھ اور نوشت و خواند سے بے بہرہ کا مصداق نہیں جیسا کہ اردو میں بالعموم یا عوامی سطح پر سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ علم اور حصول علم کے ذرائع صرف لکھنے پڑھنے اور اشیائے نوشت و خواند تک محدود نہیں۔ ''ان پڑھ'' ہونے کے باوجود آدمی ''صاحب علم'' ہو سکتا ہے۔(۳۵) اور یہ بھی ممکن ہے کہ نوشت و خواند سے واقفیت رکھنے کے باوجود آدمی علم سے کورا، معلومات سے بے بہرہ اور حقیقت سے بے خبر ہو، بلکہ بعض اوقات پڑھے لکھے ہونے کے باوجود چند مخصوص باتوں سے لاعلمی یا ادب آداب سے ناواقفیت، آدمی کو بسا اوقات اپنے طرز عمل اور گفتار و کردار میں جاہلوں سے بدتر بنا دیتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ علم جہل کا سبب بن جاتا ہے یا علم لاعلمی کے مترادف ہو جاتا ہے۔(۳۶) یا علم میں ایسے علم کا انتخاب جو بجائے خود جہل کا مصداق ہو یا بعض علم کو جہل کی طرح برا سمجھا جا سکتا ہے۔(۳۷) یہ تمام حقائق کے وہ رنگ ہیں جو حدیث نبوی ﷺ کے ان الفاظ کی معنویت کو دوبالا کر دیتے ہیں کہ ان من العلم جھلا (۳۸) اس کا مطلب یہ ہے کہ علم کے ذریعے ایک خاص قسم کی ذہنی سطح پیدا ہوتی ہے جو آدمی کے فکر و عمل اور اس کے رویے و سلوک کو متاثر کرتی ہے۔ یہ علم چاہے مادی ظاہری آلات و وسائل اور ذرائع نوشت و خواند سے حاصل کیا جائے یا محض حواس خمسہ سے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ علم ان سب کے علاوہ عقل، وجدان اور وحی و الہام جیسے مآخذ سے مستفاد ہو۔

۲۔ ثانیاً جہاں تک اہل عرب کا تعلق ہے، وہ بلاشبہ جاہل یا کم علم اور ناواقف تھے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اسباب نوشت و خواند اور ماہرین فن کم یاب تھے۔(۳۹) لیکن لاعلمی یا کم علمی اور ناواقفیت کس حد تک، کس دائرے میں تھی اس کا تعین اس زمانے کے حقائق و احوال سے ہی ہو سکتا ہے۔ (جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی اصل ناواقفیت، دین و شریعت، وحی و الہام، ضابطۂ ہدایت ربانی کی تھی)۔ علاوہ ازیں اُن کے ہاں آلات و اسباب نوشت و خواند، تعلیمی سرگرمیوں اور درسگاہوں کا ناکافی ہونا دلیل جہل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ مآخذ علم ان کے سوا بھی ہیں، اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ علم، تعلیم و تعلم کی قابلیت، اہلیت اور استعداد ان میں دوسری قوموں کی نسبت زیادہ تھی، اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ اہل عرب کو کم از کم عقل و فہم میں دوسری اقوام کی بہ نسبت حصہ وافر ملا تھا۔(۴۰)

۳۔ ثالثاً یہ کہ عربوں کی استعداد علم (بالقوہ) اور وفور عقل وفہم (بالفعل) کے پیش نظر، ان کے جہل کو علم کے مقابل قرار دینا محض لغتاً بلکہ تکلفاً ہے حقیقتاً نہیں، چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ عہد ما قبل اسلام، ما قبل نبوت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عرب کی تہذیب و معاشرت میں ''جہل'' کو علم کا عکس اور اس کی ضد سمجھنے سے زیادہ اسے دراصل ''حلم کے بالمقابل تسلیم کیا جاتا تھا۔ (**وقد یقابل به الجهل والسفه**)(۴۱) یہ بہت اہم نکتہ ہے، اسے اکثر و بیشتر نظر انداز کر دینے سے معاشرت و ثقافت قبل الاسلام میں جہل، اور جاہلیت کی حدود و قیود کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس باب میں کچھ مزید وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔

حلم کے مفہوم میں اگر چہ وسعت ہے اور اس میں صبر و ضبط، آہستگی، بردباری، نرم خوئی اور شائستگی داخل ہے، تاہم ان میں سے صبر (**ضد الطیش الصبر و الاناة والسکون مع القدرة والقوة**) (۴۲) کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور جیسا کہ آلوسی نے لکھا ہے کہ حلم اصلاً ''نفس کو قابو میں رکھنے'' کا نام ہے، تا کہ وہ اپنی حاجت پوری کر سکے اور غصہ نہ بھڑ کنے پائے۔ **فان الحلم امساک النفس عن هیجان الغضب کما ان التحلم امساکها عن قضاء الوطر**۔ (۴۳) حلم کے ایک معنی عقل و فرزانگی کے بھی ہیں، جسے بقول آلوسی حلم سے جدا نہیں کیا جا سکتا **غیر منفک عنه** (۴۴) چنانچہ ہر عقل کی بات جو فعلاً ظاہر ہو حلم میں شمار ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے جو حق کی اطاعت نہیں کرتے بطور تعجب فرمایا ہے کہ اَمۡ تَاۡمُرُهُمۡ اَحۡلَامُهُمۡ بِهٰذَاۤ (۴۴/الف) ''کیا ان لوگوں کی عقلیں انہیں ایسا کرنے کا حکم دیتی ہیں'' (۴۵)

آلوسی مزید لکھتے ہیں کہ عرب کس قدر زیادہ عقل کے مالک تھے ان کی شہرت ہر اس بات پر استوار تھی جس سے حلم کی تکمیل ہوتی ہو، کیوں کہ انسان کا حلم صرف اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ اپنے تمام اعضاء و جوارح پر قابو رکھے۔ (۴۶) مثلاً ہاتھ پر قابو کرے بے جا گرفت نہ کرے، زبان پر قابو کرے وہ فحش بات نہ نکالے اور آنکھ پر قابو کرے ادھر ادھر بہک بھٹک نہ جائے۔ جہل چونکہ حلم کا عکس ہے اس لئے جہل کا مفہوم بھی حلم کے برعکس دیکھا اور معلوم کیا جا سکتا ہے، مجموعی طور پر اعضاء و جوارح کا بے قابو ہونا اور پھر اس کے اظہار کی کوئی بھی شکل، مثلاً بے صبرا پن، سرکشی، طغیان و عدوان (بمقابلہ صبر و ضبط) ہیجان و اضطراب (بمقابلہ وقار و آہستگی) سفلہ پن، سفاہت، اکھڑ پن، بے عقلی، نادانی، (بمقابلہ بردباری) وغیرہ کا جہل میں شمار ہوگا، جہل اور حلم کا باہم عکس و تضاد لیکن ناگزیر تلازم کلام عرب کے آئینے میں بھی نمایاں تھا، چنانچہ کعب بن زہیر کا شعر ہے۔

اذا أنت لم تُعرِض عن الجهل والخنَا   أصبتَ حليماً او أصابك جاهل (۴۷)

اگر تو جہل، نادانی اور بدخلقی و بدکلامی سے نہ بچے گا تو یا تو کسی حلیم و بردبار کو گزند
پہنچا دے گا یا کوئی جاہل تجھے اپنا اکھڑ پن دکھا دے گا۔

جہل و جاہلیت کا یہی مفہوم زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر عمرو بن کلثوم کے ہاں بھی نمایاں ہے۔

الا لا یجہلن احد علینا   فنجہل فوق جہل الجاہلینا (۴۸)

خبردار! ہمیں کوئی اپنا اکھڑ پن نہ دکھائے ورنہ پھر ہم بھی سب سے بڑھ کر
اکھڑ پن دکھا دیں گے۔

اہل عرب حلم کی فضیلت کے قائل بھی تھے اور یہ صفت ان کے ہاں پسندیدہ بھی سمجھی جاتی تھی، جبکہ اس کے برعکس جہل کی فضیحت کو بھی خوب جانتے تھے اور صفات جہالت بہرحال ناپسندیدہ قرار پاتی تھیں، چنانچہ خلف بن خلیفہ مولی قیس بن ثعلبہ عربوں کے مکارم اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

ان استجہلوا لم یعرب الحلم عنہم   وان آثروا ان یجہلوا اعظم الجہل (۴۹)

اگر انہیں سفلہ پن پر اکسایا جائے تو یہ (فوراً) اپنی قبائے حلم اتار کر نہیں پھینکتے مگر
ہاں جب کھڑپن پر اتر ہی آئیں تو پھر ان کا کھڑپن آفت خیز بن جاتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں جہل، جہالت اور جاہلیت کے لفظی لغوی مفاہم، ان الفاظ کی اصل اور فروعات، ان کے بنیادی لازمی، معنی ان کے اضداد و متقابلات سے متبادر ہونے والی معلومات کے نتیجے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جاہلیت ایک ایسا کل ہے۔ جس کے احاطے میں اس کے تمام اجزائے معانی ایک دوسرے سے الگ بھی ہیں اور مربوط و متعلق بھی، نیز ایک دوسرے کا منطقی نتیجہ بھی ہیں اور رنگی مفہوم کی کشید میں برابر کے حصہ دار بھی ہیں۔ چنانچہ جہل میں بنیادی طور پر نفی علم، نقص علم اور عدم معرفت پائی جاتی ہے اس سے وہم و گمان، تخمین و ظن پروان چڑھتا ہے اور بے خبری و کج روی پیدا ہوتی ہے، جو جاہل کو تجاوز عن الحق والصواب اور افراط و تفریط میں مبتلا کر کے فکر و عمل میں اصل حالت معیار، حق و صواب سے ہٹا کر بے قابو کر دیتی ہے یہاں تک کہ سفاہت و حماقت کی کوئی بھی حرکت کر کے اپنا اکھڑپن اجڈپن دکھا سکتا ہے۔

لفظی لغوی مفہوم کی رو سے جاہلیت کی اس تعریف اور رنگی مفہوم میں یہ بات صاف طور پر دیکھی جا سکتی ہے کہ جاہلیت کی تمام حالتیں اور اس کے خواص و لوازم منفی رخ کے آئینہ دار ہیں مثلاً نفی علم، عدم معرفت، عدم طمانیت، نفی صبر و ثبات، نفی حلم، نفی سلم، اسلام، امن و سلامتی، گویا یہ سب تخریبی (غیر تعمیری)

علامات ہیں، اور ایک مجموعی منفی رویے کا اظہار ہے، جاہلیت کے ان منفیات میں ایک استثنٰی البتہ یہ تھا کہ جاہل نفی ذات نہیں کرتا بلکہ تمام زور و طاقت اپنی ذات کو اجاگر کرنے میں صرف کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں کبر و غرور، تفاخر، تفارق، تفاخل، حمیت و غیرت ناحق اور ظلم و تعدی کے متنوع مظاہر اس جاہلی معاشرے میں عام تھے، لیکن یہ تمام صفات اپنی نوعیت میں بجائے خود منفی ہیں اور اخلاقِ رذیلہ میں شمار کی جاتی ہیں۔

جہل، جاہلیت۔قرآنی مفہوم:

جاہلیت کے لفظی لغوی معنی و مفہوم جاننے کے بعد قبل اس کے کہ ہم بطور اصطلاح اس کا جائزہ لیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت کے قرآنی مفاہم کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے، کیوں کہ قرآن میں مستعمل لفظ جہل اور اس کے مختلف مشتقات (**جهل، جهالة، جاهلية، جاهلون، يجهلون، تجهلون، الجاهل، جاهلين** وغیرہ) کا بہت کچھ مفہوم سیاق و سباقِ عبارت اور موقع و محل کی مناسبت سے واضح ہو جاتا ہے اور اس کے بین السطور جاہلیت کے انواع و اقسام کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے، نیز یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جاہلیت افکار، اقوال، افعال، عادات و رسوم اور آثار و اظہار کی لاتعداد صورتوں میں نمایاں ہو سکتی ہے۔ اس اجمال کی کچھ تفصیل ذیلی عنوانات کے تحت بیان کی جا سکتی ہے:

ا۔ضلالت و گمراہی (نفی حق، نفی ہدایت، عدم معرفت):

جاہلیت کا نمایاں ترین اظہار ضلالت و گمراہی کی اس شکل میں ہوتا ہے جب کہ انسانی افکار، اعمال و آثار ہدایتِ ربانی، شریعتِ الٰہی اور تعلیمِ نبوت سے عاری ہوں، یعنی عدمِ معرفتِ حق، **فماذا بعد الحق الا الضلال** (۵۰) (پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ جاتا ہے)۔ کیوں کہ ہدایت کا ظہور، حق و آگہی کا شعور اور علم و یقین کا نور، نبوت و رسالت سے وابستہ ہوتا ہے، اس لئے جب تک نبوت و رسالتِ محمدی ﷺ کا مہرِ تاباں طلوع نہ ہوا تھا، عرب و عجم میں ہر جگہ ضلالت و گمراہی کا دور دورہ تھا اور جہالت فراواں کا تسلط تھا، لیکن بعثتِ رحمۃ للعالمینؐ کے بعد جو لوگ اس قدیم حالت (عدمِ معرفت، اعراضِ حق، انکارِ حق) سے نہ نکلنا چاہیں بلکہ اللہ کے فرستادہ نبی کی دعوت کا مذاق اڑائیں اور ہدایت و فلاح سے منہ موڑ لیں وہ گویا صریح گمراہی میں مبتلا اور اسیرِ جاہلیت ہیں، چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ **اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ** (۵۱) اور ان ہی الفاظ و مفہوم کی تکرار سورۂ اعراف (۵۲) اور سورۂ

احقاف (۵۳) میں موجود ہے، جو اس نوع جاہلیت (ضلالت و گمراہی، نفی حق) کو واضح کر رہا ہے، ضلالت و گمراہی پر موقوف اسی جاہلانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کفار و مشرکین مکہ نے بھی کیا تھا، چنانچہ ہدایت کی طرف ملتفت نہ ہونے والے اور حق کی ناقدری کرنے والے جاہلین کہلائے جانے کے مستحق ہیں، امام راغب کے نزدیک **الضلال** کے معنی ہیں سیدھی راہ سے ہٹ جانا، یہ ہدایت کے بالمقابل ہے۔(۵۴) نیز ضلال کا لفظ ہر قسم کی گمراہی پر بولا جاتا ہے قصداً ہو یا سہواً، تھوڑی ہو یا زیادہ۔(۵۵)

۲۔ وہم و قیاس، ظن و گمان (خام خیالی):

تمام تر جاہلانہ طرزِ عمل، جاہلانہ فکر و اعتقاد، جاہلانہ کردار اور جاہلانہ رویہ و سلوک کی اصل وجہ خام خیالی (ظن) ہے، **وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا** (۵۵/الف) وہم و گمان ظن و تخمین کی بنیاد حواس و محسوسات، نادیدہ مشاہدات اور ایسی باتوں پر ہوتی ہے جو علم اور حق کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں، خیالات میں وہم و گمان کے پر لگ جائیں تو ذہنی منظر کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے، انجانا خوف یا طمع، بے جا توقعات اور نفسانی خواہشیں دل و دماغ کو مغلوب کر کے حقائق کو طلسماتی رنگ دے دیتی ہیں، چنانچہ کفر و شرک کی بے شمار شکلیں، رہبانیت، اور دوسرے جاہلانہ رسوم و رواج کا جواز اور ماخذ وہ بے بنیاد خیالات اور قیاسات ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں پائے جاتے تھے اور جنہیں قرآن نے جامع الفاظ میں ظن الجاہلیۃ قرار دیا ہے **يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ**۔(۵۶) ''وہ اللہ کے بارے میں ناحق زمانۂ جاہلیت کے سے گمان میں مبتلا ہیں''، امام راغب کے نزدیک معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کی طرح اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔(۵۷) بے بنیاد ظن و گمان یا وہم و قیاس کسی درجے میں بھی حق کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔(۵۸) یہی ظن و گمان شرک کو جنم دیتا ہے۔(۵۹) یہی ضلالت و گمراہی کا باعث ہوتا ہے۔(۶۰) عذرِ گناہ کے لئے جواز کا راستہ یہی گمان سجھاتا ہے۔(۶۱) انکارِ آخرت کا موجب بھی یہی ہے۔(۶۲) لات و عزیٰ (اور ان جیسے دوسرے) بتوں کی پرستش اور انہیں معبود و مسجود ماننے کی وجہ بھی کفار و مشرکین اور ان کے آباؤ اجداد کی خام خیالی کا نتیجہ تھی۔(۶۳) عہدِ جاہلیت میں اوہام و خرافات کی بہتات اور شرکانہ وہم پرستی کا عام میلان ان کے ذہن کی اختراع اور وہم و گمان کا ہی نتیجہ تھا۔(۶۴) ان کا کوئی نظریہ کسی علمی ثبوت اور دلیل پر مبنی نہ تھا، جبکہ اسلام کی بنیاد علم ہے، ٹھوس پختہ علم جو حسی مشاہدے پر نہیں بلکہ وحی کا فیضان تھا جس میں غلطی کا امکان نہ تھا۔

am.12yat
not

۳۔ بدخلقی، بدخوئی، اکھڑپن، بیوقوفی، نادانی:

جہالت حلم کی ضد ہے اور حلم بردباری، شائستگی، نرم خوئی و خوش خلقی سے عبارت ہے، جب کہ جہالت بدخوئی، ناشائستگی اور بے صبرے پن کا نام ہے، قرآن میں اہل ایمان اور رحمٰن کے بندوں کی صفات و خصوصیات کے ضمن میں یہ بتایا گیا ہے کہ انکا رویہ اللہ کی مخلصانہ بندگی کا آئینہ دار، اور چال ڈھال، رفتار گفتار سب میں مومنانہ کردار کا حامل ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا گیا، وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔ (۶۵) گویا رحمٰن کے بندوں کے عادات و اطوار واضح طور پر جاہلوں سے ممتاز و ممیز ہیں، اور سورۂ قصص میں مومنین کی صفات کا تذکرہ اس طرح کیا گیا: وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ز لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ O (۶۶) جب کہ سورۂ اعراف میں یہ حکم دیا گیا: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ O (۶۷)

۴۔ ظاہر پرستی، بت پرستی، اصنام پرستی، مصنوعی خداؤں کی پرستش:

معبودانِ باطل اور غیر اللہ کی پرستش اور شرک و بت پرستی کی تمام شکلیں انواع جاہلیت میں شامل ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل عذاباتِ الٰہیہ کا تجربہ اور انعاماتِ خداوندی کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت پرستی کی تڑپ کا اظہار کرتے ہیں (۶۸) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جواباً ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ O (۶۹) اور سورۃ الزمر میں (آیت ۶۴) کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ جھوٹے خداؤں کے ماننے والے مشرکوں کو جاہلوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ O (۷۰) جو ان دیکھے خدا کے مقابلے میں مادی وجود رکھنے والے بتوں یا محسوس مادی اشیا کو درجۂ الوہیت پر رکھنے کے عادی تھے، ان جاہلوں نے اپنے معبودانِ باطل سے جو صفات و خصوصیات منسوب کر رکھی تھیں وہ خیالی، تصوراتی اور اعتقادی تھیں، ان کا نہ حقیقت و اصلیت سے تعلق تھا اور نہ کوئی علمی بنیاد، محض خیال و گمان کا نتیجہ تھا۔

۵۔ نفس پرستی، شہوت رانی، بے حیائی، سفلہ پن:

لذت نفس کا حصول جاہلیت کا طرۂ امتیاز ہے۔ (جب کہ اسلام کا خصوصی امتیاز شرم و حیا اور پاکیزگی ہے) لذت نفس اور تسکین حیوانیت کی تمام صورتیں مثلاً شہوت پرستی، بدکاری کے تمام طریقے، بے

جا اظہار زینت،فواحش اور تمام شیطانی نفسانی طور طریقے جن کے سبب کوئی شخص آدمیت وشرافت کا جامہ اتار پھینکتا ہے اور حیا سوز رویہ اپنا لیتا ہے انواع جاہلیت میں داخل ہے،انبیاء ورسل کو اللہ تعالیٰ ان محاذوں پر بھی ثابت قدم رکھتا ہے تا آنکہ حیا سوز قوتیں ناکام ونامراد ہو جاتی ہیں،حضرت یوسف علیہ السلام پر آزمائش کی ایک گھڑی اس وقت آئی جب کہ امرأۃ عزیز نے انہیں اپنے سفلی مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرنا چاہا،مگر بہ توفیق الٰہی حضرت یوسف اس کے دام میں نہ آسکے۔امرأۃ عزیز اور دوشیزگان شہر کی جانب سے بے حیائی،حیلہ جوئی مکر جاہلیت تھی جس سے آپ علیہ السلام ان الفاظ میں پناہ مانگ رہے ہیں:

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَ هُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَO (۷۱)

اور اگر (اے اللہ) تو نے دفع نہ کیا ان کا فریب تو مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور ہو جاؤں گا بے دریغ مبتلائے ہوس (جاہلیت)۔

اور اس میں کیا شک ہے کہ اس وقت کے زہد شکن حالات (جاہلیت) میں جذبات پر قابو رکھنا، امانت نفس کی پاسداری کرنا ان کے طہارت کردار کی ایسی محکم و مستحکم دلیل تھی جسے انہوں نے علو مرتبت پر سرفرازی سے پہلے سب کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا:

ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَO (۷۲)

یہ اہتمام اس وجہ سے ہے کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اُن کی عدم موجودگی میں بھی اس کی آبرو پر دست درازی نہیں کی اور اللہ خیانت کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

سورۃ النمل میں قوم لوط کی ایک عادت قبیحہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی شہوت رانی کو جاہلیت میں شمار کیا گیا،اَئِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَO (۷۳)

بہر حال فواحش ومنکرات اور بے حیائی کے تمام کام خدا پرستی کی راہ میں رکاوٹ، شیطان کی پیروی ورضامندی کا باعث اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ۔(۷۴)وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔(۷۵)اور فروغ جاہلیت کا موثر ترین ذریعہ ہیں، اسی لئے فحاشی وبدکاری اور اس میں ممد ومعاون بننے والے محرکات، افعال، حرکات وسکنات مثلاً عورتوں

کی ایسی آرائش وزیبائش جس سے محض نمائش مقصود ہو اور جس کا مقصد مردوں کے خوابیدہ جذبات کو برانگیختہ کرنا ہو زمانہ جاہلیت کے پرانے طور طریقوں میں شمار کرتے ہوئے سورۂ احزاب میں ممنوع قرار دیا گیا: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى۔ (۷۶) ''اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور جاہلیت اولیٰ کی طرح تبرج (زیب وزینت آرائش ونمائش) نہ کرو''۔ تبرج کے علاوہ بھی فواحشات کی اشاعت میں حصہ لینے والے تمام ذرائع ووسائل بھی شیطانی رضامندی کے ساتھ فروغ جاہلیت کا باعث اور قہر خداوندی کا موجب ہیں جس سے اہل ایمان کو یہ کہ کر روکا گیا: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (۷۷) فحاشی ہمیشہ برائی کو جنم دیتی ہے جب کہ اس کے مقابل شرم وحیا اور پاکیزگی صرف اچھائی اور خیر وفلاح لاتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: الحياء لاياتي الا بخير (۷۷/الف)

۶۔ جاہلیت، اللہ کے قانون کے بالمقابل قانون:

سورۂ مائدہ میں جاہلیت بطور ایک اصطلاح استعمال ہوئی اور فرمایا گیا اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ۔ (۷۷/ب) تو پھر کیا یہ اسلام سے منہ موڑ کر جاہلیت (عہد جاہلیت کے طرز زندگی) اور قانون، کے خواہاں ہیں۔

۷۔ اعراض وتجاوز عن الحق، تعمیل حکم الٰہی سے روگردانی:

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل (یہود) کی نافرمانیوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان کے اعراض حق کی نمایاں ترین مثال یہ مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں باری تعالیٰ کا یہ حکم سنایا کہ وہ ایک گائے ذبح کریں تو بڑی ڈھٹائی سے بلکہ از راہ تمسخر الٹا یہ سوال کرنے لگے:

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا۔ (۷۸)

تم ہم سے کوئی مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟

حالانکہ اس قسم کے مذاق اور ایسی نادانی اور حق سے ناحق منسوب کرنے کی جسارت ایک نبی اور رسول کی طرف سے کس طرح ممکن تھی؟ بنی اسرائیل کا پیرایہ بیان اور متصل آیات میں ان کے پے درپے سوالات ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ تعمیل حکم سے بچنا چاہتے تھے اور الفاظ کے الٹ پھیر میں کوئی چور راستہ تلاش کر رہے تھے۔ بہر حال ان کے سوال کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جامع اور باطل شکن جواب یہ دیا

گیا کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ O (۷۹) میں پناہ مانگتا ہوں اللہ سے کہ ہوجاؤں جاہلوں (اعراضِ حق کرنے والوں، تعمیل حکم سے روگردانی کرنے والوں میں سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب نے یہود کے اعراضِ حق کی عادت قبیحہ کی نشاندہی بھی کردی، ان کی بے جا جسارت پر تنبیہ بھی فرمادی اور ان کے جاہلانہ طرزِ عمل کا پردہ بھی چاک کردیا گیا، امام راغب نے لکھا ہے کہ ھــزو کو جہالت قرار دیا گیا ہے۔(۸۰) نیز کسی کام کو جس طرح کرنا چاہئے اس کے خلاف کرنا بھی جہالت ہے۔(۸۱)

۸۔ انا، ضد، ہٹ دھرمی بمقابلہ دعوت حق:

مخالفت حق اور انکار دعوت انبیاء و رسل کے پس پردہ محرکات و اسباب میں منکرین مخالفین اور معترضین کی اپنی جھوٹی انا، ضد، ہٹ دھرمی اور سب کچھ دیکھنے سمجھنے کے باوجود زعم باطل شامل ہوتا ہے، یہ دراصل زعم جاہلیت ہے جس میں ایمان کے انکاری ہٹ دھرمی میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہی زعم جاہلیت انہیں قبول حق کی سعادت سے محروم رکھتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ O (۸۲)

اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے، اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام موجودات (غیبیہ) کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لاکر جمع کردیتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، ہاں اگر اللہ چاہے تو اور بات ہے لیکن ان میں زیادہ تر لوگ مرتکب جاہلیت ہیں۔

چنانچہ کفار و مشرکین عرب کا عموماً اور کفار قریش کا خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا انکار اس نوع جاہلیت (ضد، ہٹ دھرمی) کو شامل تھا۔ وہ آپ ﷺ سے بار بار مختلف معجزات پر اصرار کرتے رہے اور اسے اپنے ایمان کی شرط بھی قرار دیتے تھے، لیکن چونکہ اصل مقصد فہم حق اور قبول دعوت نہ تھا اس لئے سب کچھ جاننے سمجھنے اور دیکھ لینے کے باوجود اپنی ضد ہٹ دھرمی اور زعم جاہلیت کو ترک نہ کرتے تھے، اصلاً ایمان لانے میں انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ O (۸۳)

۹۔ عصبیت، حمیت جاہلیۃ:

عصبیت، گروہ بندی، اپنے کسی تعلق والوں کی بے جا طرفداری تعصب اور بے جا حمایت، اور حمیت و غیرت کا نا جائز استعمال اور ایسا مظاہرہ جو مزاحمت حق کا باعث ہو، جو عدل و انصاف کے خلاف ہو، اور وطن، رنگ، خون، خاندان، نسل، حسب و نسب یا دوسرے مفادات کی محبت آدمی کو صحیح، جائز، حق، عدل سے منحرف کر دے، عصبت جاہلیۃ کے زمرے میں آتی ہے۔ عصبیت اپنی ماہیت کے اعتبار سے قوت کی دلیل ہے۔(۸۴) لیکن اپنی معنویت کے لحاظ سے بدنیتی کا محرک اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ O(۸۵) بے جا فخر و غرور کا باعث اور سفلی مقاصد کا آئینہ دار قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ O(۸۶) اور طریقۂ کار کے اعتبار سے اس میں دجل و فریب شامل ہو جاتا ہے۔ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ O قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ O وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۔(۸۷) کم و بیش یہی صورت حال حمیت جاہلیۃ کی ہے، غیرت و حمیت بجائے خود قوت محرکہ ہے اگر حق کے فروغ کے لئے ہو تو محمود ہے لیکن اگر حق کی مزاحمت میں صرف ہو تو حمیت جاہلیۃ کی صورت میں مذموم ہے۔

عہد جاہلیت میں قبائلی، خاندانی، نسلی، خونی عصبیت شدید تھی۔ اور انتقام در انتقام کے تحت سالہا سال تک جاری رہنے والی جنگوں کی اصل قوت محرکہ یہی عصبیت تھی۔ عہد رسالت ﷺ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ کی طرف سے حمیت جاہلیۃ کا جو مظاہرہ کیا گیا وہ ان کی قدیم روایات کے مطابق اور صریحاً مزاحمت حق کا آئینہ دار تھا۔ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ ۔(۸۸) اسلام ہر قسم کی عصبیت کا مخالف ہے، چنانچہ احادیث کی رو سے خاندانی فخر و مباہات کی کوئی حیثیت نہیں۔ آبا و اجداد پر فخر اور دوسرے پر طعن انواع جاہلیت میں شامل ہے۔ چنانچہ اس طعن پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ سے آنحضور ﷺ کا یہ فرمانا معنی خیز ہے کہ انک امرؤ فیک جاھلیۃ (۸۹) ایک اور حدیث کے مطابق جاہلیت میں جن تین باتوں کو شمار کیا گیا ہے ان میں سے حسب و نسب پر فخر اور دوسروں کے نسب پر طعن کرنا شامل ہے۔ بہر حال نخوت جاہلیت قابل مذمت ہے اور اپنے جتھے، گروہ، یا قوم کی بے جا حمایت سخت ممنوع ہے۔ جو شخص کسی (ناجائز معاملے میں) اپنی قوم کی مدد کرتا ہے تو اس کی مثال

ایسی ہے کہ جیسے کوئی اونٹ کنویں میں گر رہا ہو اور یہ اس کی دم پکڑ کر (لٹک گیا ہو تو یہ بھی) اس کے ساتھ جا گرا (۹۰/الف) اور حضرت جبیر بن مطعمؓ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس منا من دعا الی عصبیۃ ولیس منا من قاتل عصبیۃ ولیس منا من مات علی عصبیۃ۔ (۹۰/ب)

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی دعوت دے اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے اور ہم میں سے وہ بھی نہیں ہے جو عصبیت کی حالت میں جان دے۔

ایک موقع پر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آدمی کا اپنی قوم کو عزیز و محبوب رکھنا عصبیت میں داخل ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لا ولکن من العصبیۃ ان ینصر الرجل قومہ علی الظلم۔ (۹۰/ج)

نہیں! بلکہ عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم کے معاملے میں اپنی قوم کا ساتھ دے۔

۱۰۔ مساعی تبلیغ میں غلو، بے جا طلب بحوالہ سنت الٰہیہ:

حضور رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کفار و مشرکین (مکہ) کو جس درجہ اخلاص وللّٰہیت سے دعوت حق کی طرف بلا رہے تھے وہ اسی درجہ نفرت و عداوت میں آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے بلکہ تکذیب و تمسخر پر آمادہ رہتے تھے، چنانچہ بہ تقاضائے رافت و رحمت (توبہ ۱۲۹) اور بہ غایت شفقت و اخلاص و محبت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعی پیہم کے باوجود مخاطبین کی سرد مہری باعث کلفت بھی (سورۃ الکہف، آیت ۷) اور باعث حزن و ملال بھی (سورۃ انعام، آیت ۳۳) اس معاملے میں رب کریم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و مشرکین کے رویے پر وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ (۹۱) آزردہ خاطر نہ ہونے کی تلقین کرتے ہوئے حرف تسلی عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ سنت الٰہیہ کی وضاحت فرما رہا ہے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (۹۲)

اور اگر اللہ چاہتا تو سب کے سب انسانوں کو ہدایت پر جمع کر دیتا، پس (تبلیغ و طلب ہدایت میں غلو فرما کر) جاہلوں (کی حوصلہ افزائی) میں شامل نہ ہوں۔

یہی مضمون ایک دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَO(۹۳)

وہ ایمان لانے والے نہ تھے الا یہ کہ مشیت الٰہی ہوتی، لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر ہٹ دھرم (یجھلون) تھے کہ (سب کچھ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے)۔

یہاں گو جہل بمقابلہ ایمان ہے اور ان کا ایمان نہ لانا مستلزم ہے کہ وہ مبتلائے جاہلیت ہیں، چنانچہ رفع جاہلیت ایمان سے ہی ممکن ہے، ایمان سے محرومی کا سبب انبیاء و رسل کی مساعی جمیلہ میں کمی یا عدم اخلاص نہیں بلکہ اس کا انحصار در حقیقت اللہ کی طرف سے توفیق ارزانی پر ہے، لہٰذا کفار و مشرکین کا ایمان لانا صرف داعیان حق کی خواہش و کوشش پر موقوف نہیں بلکہ اس کے لئے ان میں سے ہر شخص کا اپنا ذاتی میلان، اس کے اندر قبولیت حق کی استعداد اور سب سے بڑھ کر اللہ کی طرف سے توفیق ارزانی ہے فرمایا گیا: اِنَّكَ لَاتَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَO (۹۴) مشیت ایزدی سے اگر چہ یہ محال نہ تھا کہ ساری دنیا کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا جاتا، لیکن یہ تکوینی مصالح اور سنت الہیہ کے خلاف ہے، اس لئے سنت و مشیت الٰہی کے حوالے سے تبلیغ میں غلو یا طلب میں حد سے گذرنا مطلوب نہیں، کیوں کہ جاہلوں کے ذہن میں یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ شاید ان کے ایمان لانے کی بہت اہمیت ہے اور یہ داعیِ حق کی اپنی اشد ضرورت ہے کہ وہ تلقین پیہم میں لگا ہوا ہے حالانکہ ہدایت تو ان جاہلوں کی اپنی ضرورت ہے۔

۱۱۔ بے جا حرص وطمع، رشک وحسد، بدخواہی بدنیتی:

انسانی رویے کے یہ خد و خال (حرص و ہوس، طمع رشک و حسد بدخواہی، بدنیتی، بدعملی وغیرہ) دراصل اپنی نوعیت میں جاہلانہ کردار کے غماز ہیں، چنانچہ قرآن میں حضرت یوسف اور ان کے برادران بے مہر و وفا کا جو احسن القصص (۹۵) مذکور ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برادران یوسف کا رویہ ان کے رشک و حسد، حرص وطمع، اور ان کی بدعملی و بدنیتی کا آئینہ دار اور مستقبل سے بے خبری و جہالت کی دلیل تھا، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں مقتدر حیثیت حاصل ہونے کے بعد اپنے دربار میں آنے والے بھائیوں کے ساتھ کردار کی تصویر صرف ایک جملے میں یوں کھینچ کے رکھ دی ہے،

هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُوْنَO (۹۶)

کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا۔ جب

کر تم (مشیت ایزدی سے بالکل) بے خبر تھے۔

لیکن حضرت یوسف بذریعہ وحی ان کی منصوبہ بندی اور کرتوتوں سے پہلے ہی واقف تھے، وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ (۹۷)

۱۲۔ نادانی، ناواقفیت، کم علمی، بے علمی:

نادانی، کم علمی یا بے علمی کے دو زاویے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ یہ نادانی اور کم علمی ارادتاً نہ ہو بلکہ بھول چوک سے ہو۔ یہ جہل قابل معافی ہے، اس جہل کا ادراک و احساس بندے کو توبہ و انابت الٰہی پر مائل کرتا ہے، جو اس کے درجات کی بلندی کا سبب بنتی ہے اور اسے قابل تحسین قرار دیا گیا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَی اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ۔ (۹۸)

اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لئے ہے جو نادانی (جہالت) کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے بھرپور متوجہ ہوتا ہے۔

تقریباً یہی مضمون سورۂ انعام میں بھی وارد ہوا:

کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لا اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ لا فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (۹۹)

تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، پس اگر تم میں سے کوئی نادانی (جہالت) کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے اور رزمی سے کام لیتا ہے کہ وہ بلاشبہ معاف فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا:

ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (۱۰۰)

البتہ جن لوگوں نے جہالت کی بنا پر برا عمل کیا اور پھر توبہ کر کے اپنے عمل کی

اصلاح کرلی، تو یقیناً تو بعد اصلاح کے بعد تیرا رب ان کے لئے غفور اور رحیم ہے۔

ایک دوسرے زاویے سے معصومانہ جہالت، نادانی، ناواقفیت ناسمجھی کی کیفیت وہ ہے جو محض سرسری مشاہدے پر مبنی ہوتی ہے اور حقیقت تک رسائی کو مشکل بنادیتی ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ (۱۰۱) ایسے غیور مگر حقیقی ضرورت مندوں کو جو دوسروں کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے، ناواقفوں (جاہلوں) کی ظاہر بیں نگاہیں مستغنی سمجھ کر ان کے حق رسیدی سے محروم کردیتی ہیں حالانکہ وہ اپنی تنگ دستی میں مدد و امداد کے سب سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں، ایسی ہی ناواقفیت، نادانی اور جہالت وہ تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و منصب اور رفرائض و حیثیت کا ادراک واحساس نہ کرسکی، وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ۔(۱۰۲)اور بے سمجھے بوجھے (جہالت سے) مخالفت و مخاصمت کو اختیار کرلیا۔ (۱۰۳) احساس و ادراک منصب سے محرومی اور ناواقفیت گویا آدمی کی سرشت اور فطرت کا حصہ رہی ہے۔اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا O (۱۰۴) جو شاید اس کی عجلت پسندی کا نتیجہ ہے۔وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا O (۱۰۵) ایسی ناواقفیت، لاعلمی جو سرسری مشاہدے پر یا مناسب تحقیق وجستجو کے بغیر ہو بعض اوقات ندامت وشرمندگی کا باعث ہوتی ہے۔اس جہالت و نادانی سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ علم وخبر کی تحصیل معتبر ذرائع سے کی جائے اور مناسب حال تحقیق وتفتیش سے کام لیا جائے، حکم ہے: اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَافَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ O (۱۰۶)

جاہلیت، اصطلاحی مفہوم:

وہ جاہلیت جس کو مٹانے کے لئے سید الکونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے وہ نہ لفظی ولغوی معنی میں تھی نہ تاریخی اور واقعاتی نظائر کے حوالے سے تھی، یہ وہ "جاہلیت" ہے جو اپنے خاص مفہوم میں بطور ایک اصطلاح قرآن و حدیث میں وارد ہے اور جسے اسلام کے بالمقابل استعمال کیا گیا ہے۔ گویا جاہلیت اس لحاظ سے نہ علم کے مقابل ہے نہ حلم کے بلکہ اسلام کے بالمقابل ہے۔

اس لئے اسلام اور جاہلیت ایک دوسرے کی ضد ہیں، چنانچہ جب تک اسلام نہ آیا تھا اس وقت تک (چاہے غیر مہذب کہلائے جانے والا) عرب ہو یا (متمدن مشہور ہونے والا) عجم، ہر جگہ

جاہلیت کا دور دورہ تھا اور جب اسلام آگیا تو جاہلیت کو بہر قیمت رخصت ہونا پڑا۔ قرآن کی رو سے جہل و جہالت اور جاہلیت سرتا سر ظلمت و تاریکی ہے۔ جس کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے اسلام، کتاب، رسول آیا۔ (۱۰۷) اسلام سرتا سر نور (۱۰۸) اور روشنی ہے۔ (۱۰۹) جس کو کفار و مشرکین اپنی پھونکوں (ہر قسم کی کوششوں) سے بجھانا چاہتے تھے۔ (۱۱۰) نیز جہل کا سرچشمہ قیاس، ظن، وہم و گمان، نفس و تیرگی ہے جب کہ اسلام کا سرچشمہ وحی، ایقان و ایمان، بے نفسی و سپردگی ہے، جہل خود ساختہ پرداختہ طرز عمل، کوتاہ بینی، لاعلمی، فرسودہ رسوم و رواج پر مبنی طریقۂ کار اور ذہنی کجی، منتشر الخیالی اور جادۂ حق سے ادھر ادھر بھٹکنے کا نام ہے۔ (۱۱۱) اسلام ایک طرز فکر نظریۂ حیات اور طریقۂ زندگی ہے۔ اللہ کا نازل کردہ پسندیدہ دین و مذہب ہے (۱۱۲) جس کے دائرے میں داخل ہو کر آدمی صرف اللہ کی الوہیت و ربوبیت کو تسلیم کرتا ہے، صرف اسی کی حاکمیت و اقتدار اعلیٰ کو مانتا ہے، صرف اسی کے نازل کئے ہوئے قانون، اس کے بھیجے ہوئے رسول اور اس کی اتاری ہوئی ہدایت کے مطابق اطاعت و بندگی بجالاتا ہے، اور یہ حقیقت او جھل ہونے نہیں دیتا کہ زندگی کی مہلت ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی اور پھر اسے مالک الملک کے سامنے حاضر ہو کر دنیوی زندگی کا حساب کتاب دینا ہوگا اسی حساب کتاب، فہمائش اور تصفیے پر اخروی انجام کا دارو مدار ہوگا۔

اسلام کے سوا جو کچھ ہے وہ جاہلیت ہے۔ (۱۱۳) جاہلیت اسلام سے انحراف کی شکل، تصادم کی حالت اور ٹکراؤ کی کیفیت کا نام ہے۔ اس لئے اگر چہ تاریخی اعتبار سے اصل دورِ جاہلیت (ماقبل رسالت محمدی ﷺ ماقبل اسلام) تو ختم ہو چکا اور دوبارہ لوٹ کر نہیں آسکتا (کیوں کہ دین حق کے غلبے و استحکام کے بعد) اسلام تا قیامت ضو فشاں رہے گا اب کوئی اور نبی، کوئی رسول، کوئی صحیفۂ آسمانی نازل نہیں ہو سکتا، کوئی شریعت نہیں آسکتی، اسلام کی تعلیم و ہدایت ہر لحاظ سے کامل و اکمل ہے۔ اس میں کوئی کمی، کوئی کجی نہیں پائی جاتی، لہٰذا پھر سے دورِ جاہلیت کے طاری ہونے کا امکان تو باقی نہیں رہا مگر ہاں جزوی طور پر کیفیت جاہلیت یعنی اسلامی تعلیمات و احکام سے انحراف یا تصادم کی صورت کسی وقت بھی پیدا ہو سکتی ہے، چنانچہ جو شخص اسلام سے جس درجہ روگردانی کرے گا اس کی تعلیمات کو پامال کرے گا اس کے احکام کو پس پشت ڈال کر اپنی انا کا جھنڈا بلند کرے گا یا اتباع نفس و نفسانیت کرے گا وہ گویا اسی درجے میں جاہلیت سے دوچار ہوگا۔

یہ کیفیت و صورت جاہلیت مسلمان ہونے کے باوجود سرزد ہو سکتی ہے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک شخص کی والدہ پر طعن کئے جانے پر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی تھا۔

انک امرؤ فیک جاھلیة۔(۱۱۴)

تجھ میں تو (ابھی تک) جاہلیت (کی خوبو) پائی جاتی ہے۔

اسی طرح ایک موقع پر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کسی شخص سے جھگڑا کرتے ہوئے اس کی ماں کو گالی دے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ تم میں ابھی تک جاہلیت موجود ہے۔ (۱۱۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشادِ گرامی ہے کہ

میری امت میں چار باتیں جاہلیت کی پائی جاتی ہیں جنہیں وہ ترک نہیں کرپائے۔ حسب ونسب پر فخر کرنا، اوروں کے نسب پر طعن کرنا، ستاروں سے بارش طلب کرنا، اور (مردوں پر) نوحہ کرنا۔(۱۱۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اذا کان احدکم صائماً فلایرفث ولا یجھل۔(۱۱۷)

جب تم میں سے کوئی شخص روزہ رکھے تو وہ نہ کوئی نازیبا بات منہ سے نکالے نہ جہالت، دکھائے۔

یہ کیفیت وصورت جاہلیت اگرچہ اسلام کے نزدیک کسی حال میں مطلوب ومحمود نہیں تاہم بھول چوک سے، بلاارادہ، حالات سے مجبور ہوکر کبھی طاری ہوجائے تو اس پر شرمسار ہونا، اس پر اظہار ندامت کرنا، اس پر اللہ سے معافی طلب کرنا اور اس کیفیت سے جلد نکل آنا سلامتی طبع کی دلیل اور ایمان کامل کی علامت ہے، سورۂ نساء کی اس آیت کا حوالہ پہلے آچکا ہے کہ:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔(۱۱۸)

اللہ پر تو بہ کی قبولیت کا حق ان ہی لوگوں کو حاصل ہے جو جہالت ونادانی سے کوئی برا فعل کرگذرتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کرلیتے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظرِ عنایت سے پھر متوجہ ہوجاتا ہے۔

سورۂ انعام کی آیت کا حوالہ بھی پہلے گذر چکا ہے جس میں فرمایا گیا:

مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا ۢ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O (۱۱۹)

اگر تم میں سے کوئی "جہالت" سے کس برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس سے توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو بیشک اللہ غفور الرحیم ہے۔

اور سورۃ النحل میں یہ ارشاد خداوندی ہے کہ جو پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ

لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ ۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ ۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (۱۲۰)

جن لوگوں نے جہالت کی بنا پر برا عمل کیا اور پھر توبہ کر کے اپنے عمل کی اصلاح کر لی تو یقیناً (توبہ و اصلاح کے بعد) تیرا رب ان کے لئے غفور اور الرحیم ہے۔

لیکن ہاں اگر کوئی جان بوجھ کر جاہلیت کے کسی قول و فعل کی پیروی کرتا ہے تو یقیناً یہ ایک بہت بڑی جسارت ہے، ہٹ دھرمی اور دیدہ دلیری ہے، ایسا شخص اللہ کا بھی مجرم ہے اور قانون کا بھی، علاوہ ازیں جو شخص اپنے قول و فعل سے جاہلیت پر اصرار کر رہا ہے وہ گویا گردش ایام کو پیچھے لے جانا چاہتا ہے، اور پھر سے اسی دور جاہلیت کے فروغ کا متمنی ہے جس کے ہر نقش کہن کو مٹانے کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیائے شش جہات میں تشریف لائے تھے۔ ایسے لوگوں سے بزبان قرآن یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ:

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ۔ (۱۲۱)

کیا وہ پھر سے جاہلیت (میں ڈوب جانے کا) فیصلہ (کرنا) چاہتے ہیں۔

یہ نعمت اسلام کی ناقدری بھی ہے۔ (۱۲۲) اور اس احسان ربانی کی ناشکری بھی ہے، جو بعثت محمدی ﷺ کی شکل میں اہل ایمان پر کیا گیا۔ (۱۲۳) ایسا ناشکرا ناقدرا ہر لحاظ سے مستوجب سزا ہے۔

جاہلیت، اطلاقات:

اس حقیقت کے باوجود کہ جاہلیت ایک اصطلاح ہے جو اسلام کے بالمقابل ہے اور مخصوص مفہوم و اطلاق رکھتی ہے، یہ بھی امر واقعہ ہے کہ لفظی و لغوی معنی و مفہوم کی تمام رعایتیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں۔ گویا اس لحاظ سے اصطلاح اور اصل لفظ کے معنی و مفہوم ایک دوسرے کے منافی نہیں۔ مثلاً جہل کا ایک معنی لاعلمی و ناواقفیت ہے تو یہ راہ حق سے لاعلمی، صراط مستقیم سے ناواقفیت اور شریعت و وحی سے بے خبری تھی، جہل سے اگر اکھڑپن، ناشائستگی، بدتمیزی و بیہودگی نادانی و بے وقوفی یا ظلم و زیادتی مراد لی جائے

تو یہ عرب جاہلیت کے معاشرے کی بہت بچی تصویر کہی جاسکتی ہے۔ اوراس کی واقعاتی مثالیں جابجا دیکھی جاسکتی ہیں، جہل کے دائرے میں حق ناشناسی، عصیان وطغیان اور فسق و فجور کو شامل کیا جائے تب بھی اہل عرب کے حالات اس اعتبار سے بھی اسم بامسمّٰی تھے۔

مختصر یہ کہ اسلام سے پہلے کے حالات وادوار جاہلیت بسیط کے آئینہ دار تھے۔ ان ادوار جاہلیت قرآن نے ضلال مبین (کھلی ضلالت وگمراہی) سے تعبیر کیا ہے یعنی بالفاظ دیگر وہ دور جاہلیت، دور ضلالت تھا جو آمد ختم المرسلین سے پہلے عرب میں طاری تھا۔ قرآن کا یہ ارشاد صریح ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O (۱۲۴)

بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں پر احسان کیا ہے جبکہ ان میں سے ان ہی کی جنس سے ایک ایسے رسول کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان لوگوں کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور بالیقین یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اور سورۂ جمعہ میں فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O (۱۲۵)

وہی ہے جس نے (عرب کے) امیین (ناخواندہ لوگوں) کے درمیان ان ہی (کی قوم) میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ (آپ ﷺ کی بعثت سے) قبل کھلی گمراہی میں تھے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارک سے قبل جو دور جاہلیت سرزمین عرب میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم پایا جاتا تھا (تہذیب وتمدن، معاشرت ومذہب کے کلی یا جزوی فرق کے

باوجود)ضلالت وگمراہی (کی مختلف حالتوں) کونمایاں کررہا تھا، جب کہ اسلام نہ آیا تھا جب کہ لوگ دین حق سے نابلد،توحید سے نا آشنا تھے،وہ نہ جانتے تھے جو انہیں جاننا چاہیے تھاھَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ O (۱۲۶) زندگی گزارنے کا وہ صحیح طریقہ جو انبیاء ورسل بحکم الٰہی بتاتے اور دکھاتے ہیں اوجھل ہو چکا تھا۔ جب لوگ اصل پیغمبرانہ تعلیمات کوفراموش کر کے کفروشرک میں مبتلا ہو گئے تھے اور صراط مستقیم سے بھٹک کر توہمات کی دلدل میں پھنس گئے تھے اور یہ استمداد غیراللہ اس سے نکلنے کی ہر کوشش انہیں اور نیچے دھنسا دیتی تھی،اور اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا تھا کہ خشکی وتری کی ہر جگہ، ہر طرف، بگاڑ ہی بگاڑ،فسادہی فساد جلوہ کناں تھا، کتاب الٰہی میں اس کا نقشہ کھینچا گیا، ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ۔ (۱۲۷)

خلاصہ یہ کہ جو دور جاہلیت ہے وہی دور ضلالت ہے، اور جو دور ضلالت ہے وہی عہد فساد بحروبر ہے اور وہی دراصل دورِ فترت ہے، دورِ فترت دو پیغمبروں کے درمیان کا زمانہ ہے۔(۱۲۸) یہ دور فترت اگر چہ ساری دنیا میں طاری تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی چھ سو سال گذر چکے تھے تاہم عرب میں یہ دورِ فترت بطور خاص حضرت اسماعیل علیہ السلام ابن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بعثت مبارکہ تک (تقریباً ڈھائی ہزار سال پر) محیط تھا۔اس دورِ فترت میں عقائد،عبادات، معاملات ،اخلاقیات، سیاست، معیشت، معاشرت اور تمدن کا ہر شعبہ چونکہ محروم ہدایت ربانی اور زندگی کا ہر پہلو شریعت نا آشنا تھا اس لئے جاہلیت کا پھیلاؤ بھی ہمہ جہت ہمہ گیر تھا اور جاہلانہ قول وعمل کی نیرنگیاں بے حدوحساب تھیں اور حالات بے حد دگرگوں تھے، یہ بر سر غلط مفسدانہ جاہلانہ روش جو بالآخر انسانیت کوذلت و ہلاکت سے دوچار کردیتی ساتویں صدی عیسوی کے اوائل تک جاری رہی، یہاں تک کہ بعثت محمدی سے سلسلۂ روز وشب کی چال تبدیل کردی اور چار دانگ عالم کو محربہ دامان انقلاب اسلام کی نوید سنائی اور زمانہ پھر پھرا کر اپنے اصل محور پر آ گیا، (۱۲۹) چنانچہ خلاصہ یہ ہے:

جاہلیت / دورِ جاہلیت = ضلالت = فساد بحروبر، دورفترت، زمانہ ماقبل اسلام = زمانہ ماقبل بعثت نبوت رسالت محمدی ﷺ

مشہور نحوی ولغوی ابن خالویہ (م ۳۷۰) کے مطابق (جاہلیت کا لفظ، بعہد اسلام وجود میں آیا اور)اس سے بعثت نبوی سے پہلے کا زمانہ مراد لیا جاتا ہے۔(۱۳۰) علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲) بخاری کی شرح میں کہتے ہیں کہ "جاہلیت سے بالعموم یہی مراد لی جاتی ہے اور قرآن کی یہ آیت ان ہی معنوں کی حامل ہے ۔يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ۔ (۱۳۱) پھر آگے مزید لکھتے ہیں کہ لفظ

an.12yat not

جاہلیت کا اطلاق گذشتہ زمانے پر ہوتا ہے اور مراد ماقبل اسلام کا زمانہ لیا جاتا ہے اور اس کا آخری زمانہ فتح مکہ لیا جاتا ہے۔(۱۳۲)

عرب کے دورِ جاہلیت، دورِ فترت، عرب قبل اسلام کے حوالے سے مدت کے تعین میں اگرچہ کئی اقوال ہیں تاہم تاریخی طور پر یہ دور دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک جاہلیۃ الاولیٰ، جس میں عرب بائدہ، عاربہ اور مستعربہ کا قدیم زمانہ شامل ہے اور ظہور و بعثت نبوی ﷺ سے ڈیڑھ دو صدی قبل اس کا اختتام ہوا۔ جب کہ دوسرا حصہ جاہلیۃ الثانیہ کا ہے جو جاہلیۂ اولیٰ کے اختتام سے شروع ہو کر (۸ ہجری میں) فتح مکہ مکرمہ پر ختم ہوا۔(۱۳۳) جب کہ خاورِ حجاز سے نکلنے والا آفتاب رسالت اپنی رخشندگی میں نصف النہار پر تھا، جاہلیت کی تاریکیاں چھٹ چکی تھیں اور حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا تعمیر کردہ گھر بت خانے کے بجائے پھر سے بیت اللہ، مرکزِ جلالِ الٰہی اور نشرگاہِ توحیدِ ربانی بن گیا۔

اسناد و حواشی، حوالہ جات

۱۔ ھی الحال التی کانت علیھا العرب قبل الاسلام من الجھل باللہ سبحانہ و رسولہ و شرائع الدین و المفاخرۃ بالانساب والکبر والتجبر و غیر ذالک۔ (ابن منظور الافریقی المصری (م ۷۱۱ھ) / لسان العرب / نشر ادب الحوزۃ، قم، ایران، ۱۴۰۵ھ / ج ۱۱، ص ۱۳۰۔

۲۔ عربی لغت کی عام کتابوں میں بھی یہ معنی و مفہوم پایا جاتا ہے، مثلاً دیکھیے: جہل (الـجـهـل) ضد العلم (الرازی (م ۶۶۲ھ) / مختار الصحاح / مصطفیٰ البابی، مصر ۱۹۵۰ء / ص ۱۳۱)۔ نیز جهـل جَهِـل جهلاً و جهـالۃ، ضـد الـعـلـم۔ الحق، اضاعه، جاهلية حالة الجهل ۔ (لوئس معلوف، المنجد، (المطبعہ الکاثولیکیہ) انتشارات اسماعیلیان / تہران، ۱۹۸۰ء / ص ۱۰۸)

۳۔ نسیم اللغات کے مطابق جاہل کے معنی ہیں ان پڑھ، بے علم، وحشی، اجڈ، بے ادب، گستاخ، نادان، جاہلیت، جاہل ہونا، نیز وہ زمانہ جو اسلام سے پہلے تھا۔ (مرتضیٰ حسین فاضل، نسیم امروہوی، آغا زمہر باقر (مرتبین) / نسیم اللغات / شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۴ء / ص ۳۳۱) جاہل، ان پڑھ نادان، جمع جہلاء، جہال، اجہال (خویشگی، محمد عبداللہ خان / فرہنگ عامرہ / مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۹۸ء / ص ۱۸۵)

۴۔ جہالت و جاہلیت کے مختلف دائروں میں (اصنام و اوثان، اعتقادات، توہمات اور معاشرتی معاشی اور اخلاقی صفات و خصوصیات کی) تفصیل اگرچہ مولانا شبلی نے سیرت النبی / دینی کتب خانہ، لاہور ۱۹۷۵ء / ج ۱) میں متفرق عنوانات عرب کے اقوام و قبائل، تہذیب و تمدن، مذاہب وغیرہ کے تحت (ص ۱۲۶،

ماقبل ومابعد) بیان کردی ہے تاہم یہ تفصیلات زیادہ منقح اور مفصل طور پر مولانا سید سلیمان ندویؒ نے سیرت النبی جلد چہارم میں شب ظلمت کے عنوان سے (ص۱۹۹،۲۸۲) بیان کی ہیں۔

۵۔ دیکھئے مدوجزرِ اسلام مسمّٰی بہ مسدس حالی جدید ایڈیشن/فضلی سنز، کراچی ۱۹۹۹ء/ص۵۳،۵۷۔خصوصاً

تمدن کا اس پہ پڑا تھا نہ سایہ — ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا
نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا نہ پانی — فقط آبِ باراں پہ تھی زندگانی
نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی — نہ یونان کے علم وفن کی خبر تھی
وہی اپنی فطرت پہ طبع بشر تھی — خدا کی زمین بن جتی سربسر تھی
پہاڑ اور صحرا میں ڈیرا تھا سب کا — تلے آسمان کے بسیرا تھا سب کا
چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانوں کا تازیانہ
وہ تھے قتل وغارت میں چالاک ایسے — درندے ہوں جنگل میں بےباک جیسے

۶۔ شبلی/سیرت النبی/ج۱،ص۱۲۶

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً/ص۱۲۸

۹۔ ایضاً/ص۱۲۸،۱۲۹

۱۰۔ دیکھئے:اصح السیر/نور محمد،کارخانہ تجارت کتب/کراچی،(مقدمہ/ص۴۳،۴۴)

۱۱۔ مولانا عبیداللہ قدسی/رحمۃ للعالمین/کراچی ۱۹۷۹ء/ص۱۵۔(بحوالہ جواد علی/تاریخ عرب قبل السلام/ص۸

۱۲۔ پروفیسر فلپ کے حتی،عرب اور اسلام (ترجمہ) سید مبارز الدین رفعت ومحمد معین خاں (حتی کی مشہور ومعروف انگریزی کتاب ہسٹری آف دی عرب کے خلاصے کا مکمل ترجمہ)۔ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ء/ص۴۸۔نیز ملاحظہ ہو،ہسٹری دی عربس/میکملن اینڈ کمپنی،لندن ۱۹۳۷ء/ص۸۷

۱۳۔ ابن فارس (م۳۹۵ھ)/معجم مقاییس اللغۃ/ داراحیاء الکتب العربیہ،عیسی البابی الحلبی وشرکاہ،قاہرہ،طبع اول۱۳۶۶ھ/ ج۱،ص۴۸۹

۱۴۔ مثلاً جہلہ (جہل کی نسبت کرنا) جَاھَلَۃ (نادانی میں مقابلہ کرنا) تَجَاھَلَ (جتلانا نادانی کا ظاہر کرنا) اِسْتَجْہَلَۃ (جاہل سمجھنا،حقیر سمجھنا) اَلْجَھْلَۃ (نادانی) الجہول (ناتجربہ کار، ج،جُہَلَاءِ) اَلْمَجْہَلُ و المِجْہَلَۃ (انگارے ہلانے بنانے کی لکڑی، کریشی) اَلْمَجْہَلَۃ (سبب نادانی) اَلْمَجْہَلُ (بغیر نشان کا جنگل، ج مجاھل) اَلْمَجَاھِل (نادانیاں) المجہیل مجہولۃ وغیرہ وغیرہ

۱۵۔ ابن فارس/ ج۱،ص۴۸۹

۱۶۔ ابن درید (م۳۲۱ھ)/کتاب جمہرۃ اللغۃ/ دائرۃ المعارف عثمانیہ،دکن ۱۳۴۵ھ/ ج۲،ص۱۱۲

not

۱۷۔ ابن منظور الافریقی/لسان العرب/ ج۱۱، ص۱۲۹

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۳

۲۲۔ ابن منظور الافریقی/ ج۱۱، ص۱۳۰

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ **قال شمر والمعروف فی کلام العرب جھلت الشیء اذا لم تعرفه** (ایضاً/ص۱۲۹)

۲۸۔ ابن فارس/ ج۱، ص۴۸۹

۲۹۔ ابن درید/ ج۲، ص۱۱۴

۳۰۔ ایضاً، ابن درید نے اپنی کتاب جمہرۃ اللغۃ میں ایک اور جگہ **الجھل والجھلة** کے سلسلے میں لکھا ہے کہ یہ وہ لکڑی ہے جس سے انگاروں کو حرکت دی جاتی ہے۔ یہ یمنی زبان کا لفظ ہے اور اسے **مجھل** بھی کہا جاتا ہے/ ج۳، ص۳۵۷) **جھیل، اسم ماخوذ من الجھالة**/ ایضاً/ ج۳، ص۳۵۶

۳۱۔ ایضاً/ ج۲، ص۱۱۴

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ ابن منظور الافریقی/ ج۱۱، ص۱۲۹

۳۴۔ ایضاً/ص۱۳۰

۳۵۔ اس حقیقت کا مشاہدہ اگرچہ مختلف سطح پر عام لوگوں میں بھی کیا جاسکتا ہے، تاہم یہ امر انبیاء و رسل علیہم السلام کے حوالے سے خاص طور پر قابل ذکر ہے جو انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے تشریف لاتے ہیں اور نوشت وخواند کی رسمی تعلیم نہ پانے کے باوجود بہ فیضان الٰہی اس علم کلی سے بہرہ ور ہوتے ہیں جو تبلیغ وہدایت کے لئے کافی ہوتی ہے بالخصوص ہمارے ہادی اعظم خاتم الانبیاء، سید الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تلمیذ الرحمٰن بن کر (الرحمٰن، آیت ۱) علم احاطہ سے بہرہ مند (النساء، آیت ۱۱۳) معلم اعظم کی حیثیت (**انما انا بعثت معلما**) سے ممتاز ومیز ہو کر تمام جہانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آئے (**للعالمین نذیرا**، فرقان، آیت ۱۔ سبا، آیت ۲۸۔ الحج ۴۹) حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسمی تعلیم یا اشیائے نوشت وخواند کے کبھی محتاج نہیں ہوئے (العنکبوت، آیت ۴۸) اور آپ ﷺ کے سر افتخار پر

"النبی الامی" کا روشن تاج جگمگا رہا ہے۔(الاعراف، آیت ۱۵۷، ۱۵۸)

۳۶۔ ان امور کی بہت کچھ وضاحت سورۂ جمعہ کی پانچویں آیت سے ہو جاتی ہے جس میں بعثت نبوی ﷺ کے حوالے سے امیوں کی قوم میں علم کے ذمہ داروں کا حال اس طرح بیان کیا گیا، مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَاراً۔ (سورۃ الجمعہ، آیت ۵)

۳۷۔ حدیث ان من العلم جہلاً نقل کر کے صاحب لسان العرب نے وضاحت کی ہے کہ جیسے بعض علوم کی تحصیل (جواز روئے شریعت) غیر ضروری ہیں اور جن کے حاصل کرنے کی حاجت نہیں، مثلاً علم النجوم (اور آدمی کو ان چیزوں کو چھوڑ دینا چاہئے) لیکن ان علوم کو حاصل کرنا چاہئے، جو ضروریات دین میں سے ہیں مثلاً قرآن وسنت کا علم۔ (ابن منظور الافریقی/ ج ۱۱، ص ۱۳۰)

۳۸۔ ایضاً۔ نیز دیکھئے: وحید الزماں/ لغات الحدیث/ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی/ ج ۱، ص ۱۴۰۔

۳۹۔ نوشت و خواند کے معاملے میں عرب کے عام باشندوں کی حالت اس زمانے کے مشہور و متمدن ممالک (ایران، روم، مصر وغیرہ) سے بہتر نہ تھی تو بدتر بھی نہ تھی۔(ملاحظہ ہو، گیلانی، مولانا مناظر احسن/ تدوین حدیث/ کراچی ۱۹۵۶ء/ ص ۲۲۲۔ نیز دیکھئے نثار احمد/ نقش سیرت کراچی ۱۹۶۸ء/ ص ۲۵۶، ۲۶۶)

۴۰۔ آلوسی، محمود شکری/ بلوغ الادب فی احوال العرب/ مطبعہ دار السلام، بغداد/ ج ۱، ص ۳۰، (اس کی تفصیل آلوسی کی کتاب بلوغ الارب کے باب فضل جنس العرب و ما امتازوا بہ کے تحت دیکھی جا سکتی ہے)

۴۱۔ لوئس معلوف/ المنجد فی اللغۃ/ ص ۱۵۰۔ الدکتور عمر فروخ نے تاکیداً لکھا ہے: نـدرک ان الجـاهلية مشتقة من الجهل الذى هو ضد الحلم لا من "الجهل الذى هو ضد العلم۔ (الدکتور عمر فروخ/ تاریخ الجاہلیۃ/ دار العلوم للملایین، بیروت ۱۹۸۴ء/ ص ۵۳

۴۲۔ لوئس معلوف/ ص ۱۵۰

۴۳۔ آلوسی/ ج ۱، ص ۱۰۲، ۱۰۱

۴۴۔ ایضاً/ ص ۱۰۲

۴۴/ الف۔ سورۃ الطّور، آیت ۳۲

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ ابن عبد ربہ/ العقد الفرید/ دار الکتب العربی، بیروت ۱۹۸۳ء، ۱۴۰۳ھ/ ج ۳، ص ۱۹/ كتاب اليـاقوت في العلم والادب

۴۸۔ ایضاً/ ص ۱۷، آلوسی نے اس شعر کی توضیح میں لکھا ہے کہ و استعمال هذا اللفظ بهذا المعنى كثير۔ (آلوسی/ ج ۱، ص ۱۷)

۴۹۔ ابن عبد ربہ/ ج ۳، ص ۱۰۳ (قال خلف بن خليفة مولى قيس بن ثعلبة)

۵۰۔ سورۂ یونس، آیت ۳۲

ش۵۱۔ سورۂ ہود، آیت ۲۹

۵۲۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۹۹

۵۳۔ سورۂ احقاف، آیت ۲۳

۵۴۔ امام راغب اصفہانی/ مفردات القرآن (اردو ترجمہ) الاستاذ محمد عبدہ الفلاح الفیر وز پوری/ المکتبۃ القاسمیہ، لاہور، ۱۹۶۳ء/ ص ۵۴۷۔ قرآن سورۂ بقرہ، آیت ۱۶، میں ضلالت ہدایت کے مقابل آیا ہے۔

۵۵۔ ایضاً

۵۵/ الف۔ سورۂ یونس، آیت ۳۶

۵۶۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۵۴

۵۷۔ امام راغب/مفرادت/ ص ۵۸۵

۵۸۔ سورۂ یونس، آیت ۳۶

۵۹۔ سورۂ یونس، آیت ۳۴، ۳۶

۶۰۔ سورۂ انعام آیت ۱۱۶

۶۱۔ سورۂ انعام آیت ۱۴۸

۶۲۔ سورۃ النجم، آیت ۲۷، ۲۸

۶۳۔ سورۃ النجم، آیت ۱۹، تا ۲۳

۶۴۔ عہد جاہلیت میں پائے جانے والے اصنام و اوثان، مشرکانہ مذاہب، توہمات و خرافات وغیرہ کی تفصیلات تاریخ و سیر کی تمام کتابوں میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں، اردو میں بھی مولانا شبلی کی سیرت النبی/ ج ۱، اور مولانا سید سلیمان ندوی/ سیرت النبی/ ج ۴، اور دیگر مولفین کے یہاں موجود ہیں، تاہم اردو میں بطور خاص ایک کتاب، مولانا نجم الدین سیوہاروی/ رسوم جاہلیت/ مکتبۂ رشیدیہ، لاہور ۱۹۷۷ء/ مفید مطلب ہے۔

۶۵۔ سورۃ الفرقان، آیت ۶۳

۶۶۔ سورۃ القصص، آیت ۵۵

۶۷۔ سورۃ الاعراف، آیت ۱۹۹

۶۸۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۳۸

۶۹۔ ایضاً

۷۰۔ سورۃ الزمر، آیت ۶۴

۷۱۔ سورۂ یوسف، آیت ۳۳

۷۲۔ سورۂ یوسف، آیت ۵۲

۷۳۔ سورۂ نمل، آیت ۵۵۔ ایک مفسر کے بقول ''جہالت'' کا لفظ یہاں حماقت اور سفاہت کے معنی میں آیا ہے، وہ مزید لکھتے ہیں، اردو زبان میں بھی ہم گالم گلوچ اور بیہودہ حرکات کرنے والے کو کہتے ہیں کہ وہ ''جہالت'' پر اتر آیا ہے، اگر اس لفظ کو بے علمی کے معنی میں لیا جائے تو مطلب ہو گا کہ اپنی حرکات کے برے انجام کو نہیں جانتے، یعنی یہ نہیں معلوم کہ اس انتہائی مجرمانہ گھناونی لذت چشمی کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ (مودودی، مولانا سید ابوالاعلیٰ/تفہیم القرآن/مرکزی مکتب الاسلامی، ہند/ ج ۳، ص ۵۸۷)

۷۴۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۸

۷۵۔ سورۂ نور، آیت ۲۱

۷۶۔ سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳، تبرج الجاہلیۃ کے ترجمے تفصیل اور مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو۔ مودودی، تفہیم القرآن مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۹۶۶۔

۷۷۔ سورۂ نور، آیت ۱۹

۷۷/ الف۔ بخاری و مسلم

۷۷/ ب۔ سورۃ المائدہ، آیت ۵۰

۷۸۔ سورۂ بقرہ، آیت ۶۷

۷۹۔ ایضاً

۸۰۔ امام راغب/ ص ۱۹۴

۸۱۔ ایضاً

۸۲۔ سورۂ انعام آیت ۱۱۱

۸۳۔ سورۂ انعام، آیت ۴۔ نیز دیکھئے آیات ۲۵، ۳۵، ۳۷۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، سورۃ الاعراف، آیت ۱۴۶، سورۂ یٰسین، آیت ۴۶، سورۃ الصافات، آیت ۱۴، وغیرہ وغیرہ

۸۴۔ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ سورۂ یوسف، آیت ۸۔ عصبیت و حمیت کی قوت و استعداد کے بارے میں علامہ ابن خلدون نے اپنے مشہور عالم مقدمے میں بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور ایک باقاعدہ نظریہ و فلسفۂ عصبیت پیش کر کے معاشرتی و سیاسی زندگی میں اس کی کارفرمائی کا متعدد فصلوں میں جائزہ لیا ہے، خصوصاً بدوی اور حضری طرز زندگی کے حوالے سے بحث۔ علامہ نے ساتویں فصل میں سورۂ یوسف کی اسی آیت ۸ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے، **والمعنی انہ لایتوھم العدوان علی احد مع وجود العصبۃ۔** (ص ۱۲۸) مطلب یہ ہے کہ کسی جتھے، عصبیت و حمیت کی موجودگی میں کسی پر ظلم و عدوان کا تصور نہیں کیا جا سکتا، آگے مزید تشریح کرتے ہوئے علامہ لکھتے ہیں کہ اتحاد نسبی اور نسلی یگانگت بھی رفع ظلم کے لئے بہت ضروری ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں اگر لڑائی بھڑک اٹھتی ہے اور پورے خاندان کی لاج خطرے میں ہوتی ہے تو ہر فرد شمشیر بکف ذلت و خواری سے اپنی جان کو نجات دلاتا ہے اور اس کے لئے

not

جان تک پر کھیلنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے (ملاحظہ ہو، العلامہ ابن خلدون/ مقدمہ/ المکتبۃ التجاریۃ، قاہرہ/ ص۱۲۸) لیکن ہمارے ہاں مضمون زیر بحث میں ابن خلدون کا نظریہ عصبیت غیر متعلق چیز ہے۔

۸۵۔ سورۂ یوسف، آیت ۸

۸۶۔ سورۂ یوسف، آیت ۱۴

۸۷۔ سورۂ ایضاً، آیت ۱۶، ۱۸

۸۸۔ سورۃ الفتح، آیت ۲۶

۸۹۔ آلوسی/ بلوغ الادب/ ج ۱، ص ۱۶

۹۰۔ ملاحظہ ہو، مودودی/ تفہیم القرآن/ ج ۴، ص ۹۱

۹۰/ الف۔ ابوداؤد عن ابن مسعود

۹۰/ ب۔ ابوداؤد

۹۰/ ج۔ مشکوٰۃ

۹۰/ د۔ سورۂ توبہ آیت ۱۲۹

۹۱۔ سورۂ انعام آیت ۳۵

۹۲۔ ایضاً

۹۳۔ سورۂ انعام آیت ۱۱۱

۹۴۔ سورۂ قصص، آیت ۵۶

۹۵۔ سورۂ یوسف، آیت ۳

۹۶۔ سورۂ یوسف، آیت ۸۹

۹۷۔ سورۂ یوسف، آیت ۱۵

۹۸۔ سورۃ النساء، آیت ۱۷

۹۹۔ سورۂ انعام آیت ۵۴

۱۰۰۔ سورۃ النحل، آیت ۱۱۹

۱۰۱۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۳

۱۰۲۔ سورۂ ہود، آیت ۲۷

۱۰۳۔ سورۂ ہود، آیت ۲۹۔ نیز سورۂ احقاف، آیت ۳۳، مزید، سورۂ ہود، آیت ۴۶

۱۰۴۔ سورۂ احزاب، آیت ۷۲

۱۰۵۔ سورۃ الاسراء، آیت ۱۱۔ سورۂ انبیاء میں ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ، آیت ۳۷)

۱۰۶۔ سورۂ حجرات، آیت ۶

۱۰۷۔ سورۃ المائدہ، آیت ۱۶۔سورۂ ابراہیم، آیت ۵۔سورۂ حدید، آیت ۹۔سورۂ طلاق، آیت ۱۱

۱۰۸۔ سورۂ زمر، آیت ۲۲

۱۰۹۔ سورۃ المائدہ، آیت ۱۵

۱۱۰۔ سورۂ توبہ آیت ۳۲

۱۱۱۔ امام راغب کے نزدیک جاہلیت تین قسم پر ہے،ایک یہ کہ انسان کے ذہن کا علم سے خالی ہونا ، دوسرے یہ کہ کسی چیز کے متعلق اس کی صحیح کیفیت کے خلاف اعتقاد رکھنا اور تیسرے یہ کہ کسی کام کو جس طرح کرنا چاہئے اس کے خلاف کرنا ۔اہل لغت کے ہاں **استجھلت الریح الغصن** (تیز ہوا کا ٹہنی کو اس طرح زور زور سے ہلانا گویا وہ اسے جہالت پر مجبور کررہی ہے) کا استعارہ ظاہر کررہا ہے کہ جاہلیت کی روح اور خمیر میں حق سے گریز اور بے راہ روی اور اعتدال سے تجاوز داخل ہے، اس لئے قول وعمل کی وہ تمام صورتیں (بے قاعدگیاں)جن میں یہ خصوصیات موجود ہوں جاہلیت میں ہی شمار کے قابل ہیں ۔

۱۱۲۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۹ نیز ۸۵، سورۃ المائدہ، آیت ۳

۱۱۳۔ مولانا مودودی رقم طراز ہیں کہ ''جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے، اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے، کیوں کہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے، وہ تمام حقائق کا علم رکھتا ہے، اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے، عرب کے زمانۂ قبل اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانے میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس وگمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لئے زندگی کے طریقے مقرر کر لئے تھے، یہ طرزِ عمل جہاں جس دور میں بھی انسان اختیار کریں اسے بہر حال جاہلیت کا ہی طرزِ عمل کہا جائے گا (تفہیم القرآن/ ج۱، ص۴۷۹) سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ کے تحت مولانا مودودی نے جاہلیت کی تعریف یہ کی ہے کہ ''جاہلیت سے مراد اسلام کی اصطلاح میں ہر وہ طرزِ عمل ہے جو اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی اخلاق وآداب اور اسلامی ذہنیت کے خلاف ہو ۔(تفہیم القرآن/ ج۴، ص۹۱)

۱۱۴۔ آلوسی/ ج۱، ص۱۶

۱۱۵۔ مودودی/تفہیم القرآن/ ج۴، ص۹۱

۱۱۶۔ ایضاً

۱۱۷۔ آلوسی/ ج۱، ص۱۷

۱۱۸۔ سورۃ النساء، آیت ۱۷

۱۱۹۔ سورۂ انعام آیت ۵۴

۱۲۰۔ سورۃ النحل، آیت ۱۱۹

۱۲۱۔ سورۃ المائدہ، آیت ۵۰

۱۲۲۔ سورۃ المائدہ، آیت ۳

۱۲۳۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۶۴

۱۲۴۔ ایضاً

۱۲۵۔ سورۃ الجمعہ، آیت ۲

۱۲۶۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۵۱

۱۲۷۔ سورۃ الروم آیت ۴۱

۱۲۸۔ آلوسی نے لکھا ہے: بعض کہتے ہیں کہ جاہلیت کا زمانہ فترت کا زمانہ ہے یعنی وہ زمانہ جو دو رسولوں کے درمیان تھا، کبھی اس کا اطلاق مطلق زمانۂ کفر پر ہوتا ہے کبھی فتح (مکہ) سے پہلے کے زمانے پر اور کبھی اس زمانے پر جو ولادت نبوی ﷺ اور بعثت کے درمیان ہے۔(بلوغ الارب، ج ۱ص ۲۹)

۱۲۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع کے دوران یہ حتمی اعلان فرما دیا تھا کہ:

الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السماوات والارض، (ابی العباس زین الدین احمد بن احمد بن عبداللطیف الشرجی الزبیدی الشہیر بالحسین بن المبارک التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح / دار الاشاد بیروت/ ص ۹۱

۱۳۰۔ آلوسی/ ج ۱، ص ۲۹

۱۳۱۔ ایضاً

۱۳۲۔ ایضاً/ ص ۳۰۔ **الجاھلیة ھی الزمن الذی ھو قبل الدعوة الاسلامیة او قبل الھجرة علی الاصح۔** (الدکتور عمر فروخ/ ص ۵۲)

۱۳۳۔ نثار احمد/ نقش سیرت/ کراچی، ۱۹۶۸ء/ ص ۸۲، ۱۹۸۱ء

عقائد مسلمین و مشرکین

تالیف: امام فخر الدین رازی

ترجمہ و حواشی: پروفیسر علی محسن صدیقی

مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے تعارف پر مشتمل مختصر مگر نہایت جامع کتاب

صفحات: 128 قیمت: 120

فضلی بک سپر مارکیٹ

اردو بازار، کراچی۔ فون: ۲۲۱۲۹۹۱